سیکولرزم

جمہوریت اور انتخابات

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی ۲۵

Scanned with OKEN Scanner

سیکولرزم

جمہوریت اور

انتخابات

Kaleem Ahmed Khan K
National Conference, 23-25 Feb 2018, Delhi

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

Scanned with OKEN Scanner

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ ۱۷۵

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

© مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نئی دہلی

سیکولرزم، جمہوریت اور انتخابات

از: ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

SECULARISM, JAMHURIAT AUR INTIKHABAT

By Dr. Mohammad Abdul Haq Ansari

Pages: 24 (Paper Back)

Price: Rs. 8.00

اشاعت:

طبع اول : اکتوبر ۱۹۹۸ ۲۰۰۰

قیمت :-/۸ روپے

ناشر

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

ڈی ۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا

نئی دہلی-۲۵ فون: ۶۹۱۱۶۵۲

مطبوعہ: دعوت آفسٹ پرنٹرز، دہلی-۶

Scanned with OKEN Scanner

فہرست

سیکولرزم ـــــــــ ۴

جمہوریت ـــــــــ ۶

جماعت اسلامی کا نصب العین ـــــ ۱۳

انتخابات ـــــــــ ۱۷

سوالات وجوابات ـــــــــ ۲۳

✪✪✪

سیکولرزم، جمہوریت اور انتخابات

یہ وہ تقریر ہے جو ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب نے کل ہند اجتماع ارکان منعقدہ نومبر ۱۹۹۷ء حیدر آباد میں کی تھی. بعد میں اس کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے انھوں نے خود مرتب کیا۔

میں اپنی اس تقریر میں سیکولرزم، جمہوریت اور انتخابات کے بارے میں جماعت اسلامی ہند کے موجودہ موقف کی وضاحت کرنے کی کوشش کروں گا اور ان دلائل پر بھی گفتگو کروں گا جن کے پیش نظر جماعت اسلامی ہند نے ان امور و مسائل کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا ہے۔ اس تقریر کی بنیاد جماعت کے اساسی لٹریچر، مرکزی مجلس شوریٰ کی قراردادیں اور جماعت کے ذمے داروں کے بیانات ہیں۔

سیکولرزم

سیکولرزم کا لفظ دو سیاق میں بولا جاتا ہے، ایک سیاق میں وہ زندگی کے بارے میں ایک مخصوص نقطہ نظر کا نام ہے۔ اس نقطہ نظر کا حاصل یہ ہے کہ انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک ذاتی اور دوسرا اجتماعی جس میں سیاست، معیشت، معاشرت اور تعلیم وغیرہ سارے اجتماعی امور داخل ہیں۔

مذہب انسان کا صرف ذاتی اور نجی مسئلہ ہے۔ خدا کی ہدایت یا آسمانی کتاب کا تعلق

صرف اسی حصے سے ہے۔ جہاں تک اجتماعی امور کا تعلق ہے، وہ مذہب سے آزاد اور خدائی ہدایت سے بے نیاز ہیں۔ اس دائرے میں تمام فیصلے انسانوں کو اپنی عقل اور تجربے کی روشنی میں انجام دینے چاہییں، نہ کہ کسی آسمانی کتاب یا ہدایت کی روشنی میں۔

دوسرے سیاق میں سیکولرزم آج کی مختلف ریاستوں کا ایک اساسی تصور ہے یعنی یہ کہ جو اجتماعی امور ریاست کی حدود میں آتے ہیں، ان میں ریاست ہر خدائی ہدایت اور مذہبی رہنمائی سے کلیۃً آزاد ہوگی۔ اس کے سارے قوانین اور ضابطے سارے اصول اور پالیسیاں اور تمام فیصلے ریاست کے شہری اپنی عقل و تجربہ کی روشنی میں طے کریں گے۔

سیکولرزم اس معنی میں آج کل کی تمام سیکولرزم ریاستوں میں قدر مشترک ہے۔ البتہ اس نظریے کے تفصیلی انطباق میں ریاستوں کے درمیان تین مسائل میں اختلاف ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کیا اجتماعی امور میں کچھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جن میں ملک کے باشندوں کو اپنے مذہب، روایت اور تہذیب کی روشنی میں عمل کی آزادی ہو۔ مثلاً: کیا ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اسکول اور مدارس قائم کرنے یا تعلیمی نصاب میں اپنے مذہب کی تعلیمات داخل کرنے کی اجازت ہوگی۔ جہاں تک ابتدائی تعلیم کا تعلق ہے، آج بہت سی ریاستوں نے اپنے باشندوں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اپنے عقیدے اور مذہب کے مطابق کریں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مذہبی امور جن کا تعلق انسان کی نجی زندگی سے ہے، ان کے بارے میں ریاست کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا ریاست پسند کرے گی کہ اس کے باشندے اپنی زندگی اپنے عقیدے کے مطابق گزاریں اور اپنے مذہب کی تعلیمات پر آزادی کے ساتھ عمل کریں یا وہ مذہب کو صرف برداشت کرے گی یا اس سے آگے بڑھ کر اس کی مخالفت کرے گی، لوگوں کو الحاد و بے دینی کی طرف دعوت دے گی اور مذہبی رسوم، رواج اور تقریبات کی ہمت شکنی کرے گی؟ بعض ریاستوں نے مذہب کے خلاف مخالفانہ بلکہ جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے، جیسا کہ ماضی میں روس کی کمیونسٹ حکومت نے کیا۔ بعض ریاستیں ہر اہل مذہب کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی دیتی ہیں اور کچھ ریاستیں ایسی بھی ہیں جو

Scanned with OKEN Scanner

یہ پسند کرتی ہیں کہ اس کے باشندے اپنے اپنے عقیدہ و خیال کے مطابق اچھی مذہبی زندگی گزاریں۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک ملک میں متعدد مذاہب کے ماننے والے آباد ہوں تو ریاست کا رویہ ان مذاہب کے حوالے سے کیا ہوگا؟ کیا ریاست سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے گی اور مکمل غیر جانب داری برتے گی یا کسی ایک مذہب اور تہذیب کی سرپرستی کرے گی اور دوسرے مذہب اور تہذیب کے لوگوں کے ساتھ دوسرا رویہ اختیار کرے گی؟ فرانس کے اسکولوں میں مسلم طالبات کو سر پر اسکارف باندھنے سے روکنے کی جو کوشش رہی ہے وہ امتیازی سلوک کی ایک مثال ہے۔

ہندوستان کی ریاست ایک سیکولر ریاست ہے۔ اس کا اساسی تصور یہ ہے کہ اجتماعی امور میں حکومت کسی مذہب یا الٰہی ہدایت کی پابند نہیں ہے۔ اس کے تمام قوانین و ضوابط اور سارے فیصلے اصولاً اس کے باشندوں کی مرضی کے مطابق اور ان کی عقل و تجربہ کی روشنی میں طے پائیں گے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، وہ اس کے باشندوں کا اپنا نجی معاملہ ہے۔ انہیں پوری آزادی ہے کہ وہ جو عقیدہ چاہیں رکھیں، جس طرح چاہیں عبادت کریں اور اپنی مذہبی تقریبات ادا کریں، بشرطیکہ اس کی وجہ سے دوسرے مذہب کے لوگ متاثر نہ ہوں۔ ریاست نہ صرف ہر انسان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی آزادی دے گی بلکہ یہ پسند بھی کرے گی کہ لوگ اپنی زندگی میں خدا ترس اور نیک ہوں۔ ہندوستان کی سیکولر ریاست اس معنی میں بھی سیکولر رہنا چاہتی ہے جیسا کہ اس کا دستور کہتا ہے کہ وہ مذہبی امور میں کسی مذہب کے ساتھ جانب داری کا سلوک نہیں کرے گی۔ ہر مذہب کے ماننے والوں کو یکساں آزادی اور حقوق حاصل ہوں گے۔

عمومی سیکولرزم اور ہندستانی سیکولرزم کے سلسلے میں اس تنقیح و وضاحت کے بعد جمہوریت کے بارے میں بھی کچھ اصولی وضاحتیں ضروری ہیں۔

جمہوریت

جمہوری ریاستیں اس اساس پر قائم ہوتی ہیں کہ حاکمیت (Sovereignty) کے

حقدار ریاست کے جمہور عوام ہیں۔ یعنی قانون کا ماخذ نہ کوئی خاندان ہے، نہ کوئی طبقہ اور نہ کوئی گروہ یا فرد۔ اس کا ماخذ صرف اور صرف جمہور کا اجتماعی ارادہ ہے، اس سے اوپر اور کوئی اتھارٹی نہیں۔ نہ انسانی اور نہ خدائی۔ جمہوری ریاست اور اسلامی حکومت میں بنیادی فرق اسی نکتے پر ہے۔ جمہوریت میں حاکمیت جمہور عوام الناس کی ہوتی ہے۔ ان کا اجتماعی ارادہ ہی مصدر قانون ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی ریاست میں حاکمیت خدا کی ہوتی ہے اور اس کی کتاب مصدر قانون ہوتی ہے۔

دوم: جمہوریت ایک طرز حکمرانی بھی ہے۔ یعنی یہ کہ اس میں حکومت عوام کے منتخب نمائندوں کی ہوتی ہے۔ انہیں نمائندوں کو حکومت بنانے اور چلانے کا حق ہوتا ہے، نہ کہ کسی ایک فرد، طبقہ، خاندان یا گروہ کو۔ جہاں تک اس دوسرے نکتے کا تعلق ہے، تو آج کل کی جمہوری حکومتوں میں اور اسلامی حکومت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں میں حکمرانی عوام کے منتخب نمائندوں کی ہوتی ہے۔ اس لئے اسلامی حکومت کو بھی اسلامی جمہوریت کہا جاتا ہے۔ اگر فرق ہے تو اتنا کہ جمہوری حکومتوں میں عوامی نمائندوں کو حق حکمرانی فی ذاتھم حاصل ہے، جب کہ اسلامی ریاست میں انہیں یہ حق خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے ملتا ہے اور اس کے قانون کے تابع ہوتا ہے۔

سوم: جمہوریت کچھ قدروں کا نام بھی ہے۔ جیسے فکر و خیال کی آزادی، ہر عقیدہ و مذہب کی آزادی، بنیادی حقوق کا تحفظ۔ قانون کے سامنے سب کی یکساں حیثیت، ہر ایک کے لئے ترقی کے یکساں مواقع۔ اسی طرح جمہوریت میں عوام کو اپنے منتخب نمائندوں کا احتساب کرنے، حکومت کی کارکردگی کا جائزہ لینے اور ایک وقت کے بعد ان کو معزول کرنے کا بھی حق حاصل رہتا ہے۔

جمہوری حکومتوں کی طرح اسلامی حکومتوں میں بھی یہ تمام قدریں پائی جاتی ہیں۔ اس نکتے میں بھی آج کل کی جمہوریتوں اور اسلامی جمہوریت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سیکولرزم اور جمہوریت سے متعلق ان تنقیحات کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ہم یہ متعین کر سکیں کہ ہمارے لٹریچر میں ان پر جو تنقید کی گئی ہے کہ ان کا ہدف کیا ہے اور یہ طے کر سکیں کہ جماعت اسلامی کی شوریٰ نے ان موضوعات بالخصوص ہندستان کی

Scanned with OKEN Scanner

سیکولر جمہوریت کے بارے میں اپنی قرار دادوں میں جو کچھ کہا ہے، اس کی نوعیت کیا ہے؟ کیا ان قرار دادوں میں ہمارے لٹریچر کے اندر بیان کردہ موقف سے کوئی مختلف بات کہی گئی ہے۔

جہاں تک ہمارے لٹریچر کا تعلق ہے، اس میں سب سے اہم چیز جس کا تعلق ان موضوعات سے ہے مولانا مودودیؒ کی وہ تقریر ہے، جو "جماعت اسلامی کی دعوت" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس تقریر کا جو حصہ سیکولرزم سے متعلق ہے، اس میں سیکولرزم بحیثیت ایک نظریۂ زندگی اور بحیثیت ریاست کے ایک اساسی تصور دونوں ہی پیش نظر ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ سیکولرزم بہ معنی اول کہ مذہب انسان کا اپنا ذاتی معاملہ ہے، جس کا تعلق صرف عقائد و عبادات اور چند مراسم و تقریبات سے ہے اور اجتماعی امور مذہب کے دائرے سے خارج ہیں اور رہنے چاہییں۔ یہ ایک غلط اور مہمل نظریہ ہے۔ اسی طرح سیکولرزم بہ معنی دوم کہ ریاست کو سیکولر رہنا چاہئے، اور وہ امور جو ریاست کے حدود میں آتے ہیں، انہیں خدائی ہدایت اور رہنمائی سے آزاد ہونا چاہیئے یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے، کیوں کہ زندگی ایک وحدت ہے اسے انفرادی اور اجتماعی خانوں میں تقسیم کرنا، ایک میں خدا کی ہدایت تسلیم کرنا اور دوسرے کو اس سے آزاد رکھنا، غیر معقول ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو وہ ایک جامع نظام حیات ہے اور انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں پر یکساں حاوی ہے۔

جہاں تک ان دونوں نکتوں کا تعلق ہے، جماعت اسلامی کی شوریٰ کی قرار دادوں میں انتہائی واضح الفاظ میں ان کی تائید و توثیق ہے۔ جولائی ۱۹۶۸ء کی شوریٰ کی قرار داد جو سیکولرزم سے متعلق ہے اس کے الفاظ ہیں:

> "سیکولرزم کی اصطلاح مختلف معنی میں استعمال ہوئی ہے۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے دور میں سائنس اور مذہبی طبقات کے اختلاف اور ان کے تصادم میں اس اصطلاح کا ایک تاریخی پس منظر ہے، جس میں نہ صرف مذہب بلکہ خدا کی مخالفت اس کی اصل روح رہی ہے۔ ہر چند کہ اس وقت پادری طبقے کا رویہ جس کے رد عمل میں

خلاف مذہب جذبات نے شدت اختیار کی، ایک بالکل غلط اور مذہب کی روح کے خلاف رویہ تھا۔ لیکن اس کے مقابلے میں لامذہبیت کا جو تخیل لایا گیا، اس نے جو صدمہ اخلاقی اقدار اور انسانیت کے اعلیٰ جذبات کو پہنچایا، وہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے، جس کو ہر دیکھنے والی آنکھ مغرب کی موجودہ مادہ پرستانہ زندگی اور اس کے مہلک نتائج میں دیکھ سکتی ہے۔ اس معنی میں جماعت سیکولرزم کی مخالف رہی ہے اور رہے گی۔ چونکہ اجتماعی معاملات سے خدا اور اس کی ہدایت کو بے دخل کر دینا اس کی اصل روح رہی ہے اور یہی انسانی زندگی کی جملہ خرابیوں کی جڑ ہے۔ اسلام انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی اجتماعی زندگی کے لئے ایک مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے اور اس نظام کی افادیت عمل کی کسوٹی پر برحق ثابت ہو چکی ہے، جس کا ریکارڈ تاریخ عالم میں موجود ہے"۔

ان الفاظ میں جماعت کی شوریٰ نے سیکولرزم بحیثیت ایک نظریۂ زندگی اور بحیثیت ریاست کے اساسی تصور دونوں کی تردید کی ہے اور اسی شدت سے اس کی نفی کی ہے جو مولانا مرحوم کی تحریر میں ملتی ہے۔ پھر دوٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ جماعت اسلامی اس معنی میں سیکولرزم کی مخالف رہی اور ہمیشہ رہے گی۔ شوریٰ کی شروع سے آخر تک تمام قرار دادیں مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہیں۔ ان قرار دادوں میں سے کسی قرار داد میں یا امراء جماعت کے بیانات میں سے کسی بیان میں اس موقف کے خلاف کوئی بات میرے علم کی حد تک نہیں پائی جاتی۔

اوپر شوریٰ کی قرداد کا جو اقتباس میں نے نقل کیا ہے اس کے بعد یہ الفاظ ہیں:

"لیکن اگر سیکولرزم کا مطلب یہ لیا جائے جیسا کہ بعض حلقوں کی طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حکومتی کاروبار میں کسی مذہبی فرقے کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ بلا امتیاز مذہب و ملت یکساں برتاؤ کیا جائے اور سب کو یکساں مواقع

حاصل رہیں، تو جماعت نے اس تخیل کی کبھی مخالفت نہیں کی ہے"۔(روداد مجلس شوریٰ ا۔ص ۱۹۱، ۱۹۲)

ان الفاظ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو سیکولرزم کے سلسلے میں اس اصولی موقف سے ہٹی ہوئی ہو جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔اس میں تو صرف یہ بات کہی گئی ہے کہ ہندوستان کی سیکولرزم کے بارے میں مذاہب کے درمیان غیر جانبداری اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کی جو بات کہی جاتی ہے، جماعت اس خیال کی مخالفت نہیں کرتی۔ ظاہر ہے کہ جماعت اور نہ صرف جماعت بلکہ کوئی بھی معقول انسان یہ نہیں چاہے گا کہ ہندوستانی ریاست اپنے شہریوں کے درمیان مذہب کی بنیاد پر جانبداری برتے۔

"تحریک آزادی ہند اور مسلمان"[1] کے باب ۱۴ میں مولانا مودودیؒ نے دنیا کے مختلف ملکوں میں رائج سیکولرزم کی مختلف تعبیروں کا ذکر کیا ہے اور یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا ملت اسلامیہ ہند سیکولر ریاست کو اپنا نصب العین بنا سکتی ہے؟ پھر اس کا جواب نفی میں دیا ہے اور اس کے لئے دلائل دیے ہیں۔ جماعت اسلامی ہند نے بھی کبھی ہندوستان میں ایک سیکولر ریاست کو اپنا مطمح نظر نہیں بنایا، نہ شوریٰ کی کسی قرارداد میں اور نہ ہی امرائے جماعت کے بیانات میں سیکولر ریاست کو ہندوستانی مسلمانوں کا نصب العین بتایا گیا ہے، اس کے مقابلے میں نہ صرف دستور جماعت، بلکہ آزادی کے بعد سے شائع ہونے والے ہر چہار سالہ پالیسی پروگرام میں جماعت نے ہمیشہ اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارا نصب العین اقامت دین ہے، ہم اسلام کو ایک جامع نظام زندگی کی حیثیت سے اس ملک کے ہر خاص و عام، مسلم اور غیر مسلم کے سامنے پیش کریں گے۔ اس کی طرف دعوت دیں گے اور اس کے قیام کی کوشش کریں گے اور اس کے لئے تمام جمہوری اور پرامن طریقے اختیار کریں گے۔

جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے تو "جماعت اسلامی کی دعوت" نامی تقریر میں

---

[1] یہ کتاب مولانا کی تین کتابوں کا مجموعہ ہے جو سیاسی کشمکش اول و دوم اور مسئلہ قومیت کے نام سے پہلے چھپ چکی ہیں۔ اسے پروفیسر خورشید احمد نے ایڈٹ کیا ہے۔

Scanned with OKEN Scanner

مولانا مودودیؒ نے جس چیز کو ہدف تنقید بنایا ہے وہ حاکمیت جمہور کا نظریہ ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ زمین خدا کی ہے، وہی اس کا مالک اور حاکم ہے۔ انسان کی حیثیت حاکم کی نہیں، صرف خدا کے خلیفہ اور نائب کی ہے، چونکہ خدا ہی اصلاً حاکم ہے، اس لئے اس کی نازل کردہ کتاب مصدر قانون ہے اور تمام انسانی قانون سازی اسی کتاب کے مطابق اور اسی کے تابع ہونی چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں جیساکہ مولانا مرحوم نے دوسری جگہ کہا ہے قانونی حاکمیت صرف خدا کی کتاب کو حاصل ہے، اس نکتے پر جماعت اسلامی کی شوریٰ کی قرار دادوں یا امرائے جماعت کے بیانات میں کوئی مختلف بات نہیں کہی گئی ہے۔ کہیں بھی حاکمیت الٰہ کے مقابلے میں حاکمیت جمہور کی تائید نہیں کی گئی ہے۔ یہ ضرور ہوا ہے کہ شوریٰ کے بعض ارکان کی طرف سے بعض تحریریں ایسی آئی ہیں جن میں حاکمیت الٰہ اور حاکمیت جمہور کے نظریات میں تضاد کے بجائے توافق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر یہ رائیں ان افراد کی اپنی ذاتی رائیں ہیں اور ہمارے خیال میں غلط فہمی اور غلط استدلال پر مبنی ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں تصورات میں ایک ناقابل رفع منافات ہے اور یہی جماعت اسلامی کی شوریٰ کا بحیثیت شوریٰ موقف ہے۔

جیساکہ میں نے شروع میں کہا ہے کہ جہاں تک حاکمیت کے تصور کو چھوڑ کر جمہوری نظام حکومت کے باقی دونوں اجزاء یعنی جمہوری طرز حکومت اور جمہوری قدروں کا تعلق ہے تو جمہوریت اور اسلامی ریاست میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے، جمہوریت اور اسلامی ریاست دونوں میں حکمراں عوام کے منتخب نمائندے ہوتے ہیں نہ کہ کوئی طبقہ، خاندان یا فرد۔ اور آزادی فکر و عمل، عقیدہ و مذہب اور دوسرے انسانی حقوق کا احترام، قانون کے سامنے ہر چھوٹے بڑے کا یکساں ہونا، ہر کسی کو ترقی کا یکساں موقع حاصل ہونا، حکمرانوں کی کارکردگی پر تنقید و احتساب اور نصب کے ساتھ عزل کا بھی حق عوام کو حاصل رہنا، یہ ساری چیزیں جمہوریت اور اسلامی ریاست دونوں میں مشترک ہیں۔ اس لئے اسلامی ریاست کو اسلامی جمہوریہ کہنا بجا اور درست ہے۔ ان تمام باتوں کی صراحت، خود مولانا مرحوم نے اپنی مختلف کتابوں "اسلام کا نظریہ سیاسی"، "اسلام کا نظام حیات"، "اسلامی ریاست" اور "خلافت و ملوکیت" میں کی ہے۔

Scanned with OKEN Scanner

جماعت اسلامی کی شوریٰ کی قراردادوں میں جمہوریت کی جو تائید ملتی ہے وہ صرف اس جمہوری طرز حکمرانی اور ان جمہوری قدروں کی تائید ہے، جو جمہوریت اور اسلامی ریاست دونوں میں مشترک ہیں، نہ کہ حاکمیت جمہور کے نظریہ کی۔ مئی ۱۹۶۸ء کی شوریٰ کی ایک قرارداد میں جو ہندوستان کے جمہوری نظام سے متعلق ہے یہ الفاظ آئے ہیں:

"آزادیٔ رائے و ضمیر ہر انسان کا فطری حق ہے اور ملک کے صحیح تعمیر و ترقی نیز جماعت اسلامی کی خود اپنی سرگرمیوں کے جاری رہنے کے لئے ملک میں اس کا قیام و بقا ایک ناگریز شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے ان کوششوں کی مذمت کرنا جن کے نتیجے میں کلیت پسندی اور آمریت کے رجحانات فروغ پاسکیں اور ان کے مقابلے میں ان کوششوں کی تائید کرنا جن سے ملک میں آزادیٔ ضمیر اور جمہوریت کو فروغ حاصل ہو اور بوقت ضرورت اس کے لئے رائے ہموار کرنا ہمارے پروگرام کا جز ہوگا"۔

(روداد مجلس شوریٰ ۲۔ ص ۲۰)

آپ ان الفاظ پر غور کریں پہلی چیز جو آپ کو نوٹ کرنی چاہیے وہ یہ ہے کہ یہاں جو بات زیر بحث ہے وہ حاکمیت جمہور کا نظریہ نہیں، بلکہ جمہوریت کی آزادی رائے و ضمیر جیسی قدریں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ شوریٰ جمہوریت کی انہیں قدروں کی تائید کر رہی ہے نہ کہ اس کے نظریۂ حاکمیت کی۔ تیسری بات یہ ہے کہ شوریٰ اگر ہندوستان میں جمہوریت کی بقا اور فروغ کی کوشش کرتی ہے تو اس کی ایک وجہ آزادی رائے و ضمیر کا تحفظ ہے جو جمہوریت میں بھی ویسے ہی محترم ہے جیسے کہ اسلامی ریاست میں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آزادی نہ صرف ملک کی صحیح تعمیر و ترقی کے لئے ضروری ہے بلکہ جماعت اسلامی کی اپنی سرگرمیوں اور دعوتی و تحریکی کوششوں کے جاری رہنے کے لئے بھی ناگزیر ہے۔ چوتھی بات جو ان الفاظ سے سامنے آتی ہے وہ جماعت اسلامی کا یہ اندیشہ ہے کہ اگر جمہوریت کی تائید نہیں کی گئی تو کلیت پسندی اور آمریت کے رجحانات ترقی پائیں گے، جس سے ملک کی ترقی بھی متاثر ہوگی اور جماعت اسلامی کی دعوت بھی۔ اس

Scanned with OKEN Scanner

احساس کے تحت جماعت اسلامی جمہوریت کی نہ صرف زبانی تائید پر اکتفا کرنا چاہتی ہے بلکہ اس کے لئے رائے عامہ بھی ہموار کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

جماعت اسلامی کا نصب العین

جماعت اسلامی کا نصب العین ہندوستان میں اقامت دین ہے۔ یہی نصب العین پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی رہے گا۔ جماعت اسلامی کی ساری سرگرمیاں اسی نصب العین کے حصول کے لئے ہیں اور اس کو جو بھی وسائل حاصل ہیں، مادی اور غیر مادی اور جو بھی قوتیں اور صلاحیتیں میسر ہیں، ذہنی و فکری، عملی و علمی سب کچھ اسی نصب العین کی راہ میں لگا رہی ہے۔ اس کی دعوت اسی نصب العین کی طرف ہے اور اہل ملک کے لئے یہی اس کا پیغام ہے، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔

مگر جماعت کو اس کا احساس ہے کہ وہ اپنے ملک کے عوام کے سامنے اس نصب العین کو ایک آپشن (Option) کے طور پر نہیں پیش کر سکی ہے اور آپشن تو کجا اس کا تعارف بھی اپنے ہم وطنوں سے نہیں کرا سکی ہے، غیر مسلم تو دور رہے مسلمانوں کو بھی اسے اپنا نصب العین بنانے پر آمادہ نہیں کر سکی ہے۔ آمادگی بھی دور کی بات ہے مسلم عوام تو اس نصب العین سے یکسر غافل ہیں، انہیں یہ علم نہیں کہ بحیثیت ایک ملت انہیں نصب العین کا داعی ہونا چاہیے۔ یہ خدا کی امانت ہے جس کا انہیں امین بنایا گیا ہے۔ اگر وہ اس امانت کی ذمے داریاں ادا نہیں کریں گے تو ان سے حساب لیا جائے گا۔ عوام تو عوام ہیں علماء کو بھی اس نصب العین کا احساس نہیں ہے، بلکہ ان میں بعض تو ایسے بھی ہیں جو اسے نصب العین ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، بعض اسے دین کی سیاسی تعبیر کہتے ہیں، بعض ہندوستان میں اس کی فرضیت کو ساقط قرار دیتے ہیں اور بعض اسے دین کے بھیس میں دنیا طلبی کہتے ہیں۔

اہل ملک کے سامنے عملاً جو آپشن پیش کیا جا رہا ہے، وہ دو چیزوں میں سے ایک اختیار کرنا ہے۔ ایک طرف جمہوری نظام ہے، جس کی بنا اس تصور پر ہے کہ ملک میں مختلف مذاہب اور مختلف تہذیبوں، زبانوں اور روایات کے لوگ رہتے ہیں، ان سب کو یکساں تسلیم کیا جانا چاہیے، سب کو ترقی کے یکساں مواقع ملنے چاہییں۔ نجی زندگیوں میں ہر مذہب کے

ماننے والوں کو اپنے مذہب پر چلنے اور اس کو تبلیغ کی آزادی ہونی چاہیئے۔ مگر اجتماعی امور سب کے مشورے سے طے پانے چاہییں۔ دوسری طرف ایک ایسا نظام پیش کیا جارہا ہے، جو صرف ایک تہذیب کا قائل ہے، جس میں صرف ایک مذہب، ایک فرقہ اور ایک زبان کو دوسرے مذاہب، فرقوں اور زبانوں پر ترجیح حاصل ہو گی، جو ان آزادیوں کو جو جمہوریت میں حاصل ہوتی ہیں دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور ان قدروں کا احترام نہیں کرتا جو جمہوریت میں محترم ہیں۔ جو ہندوستانی کلچر کے نام پر ہندو مذہب اور ہندو فرقہ پرستی کو دوسرے مذاہب اور فرقوں پر غالب کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے افہام و تفہیم پر ہی اکتفا نہیں کرتا، زور و قوت بھی استعمال کرنا جائز سمجھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہندوستانی عوام کے سامنے عملاً جو آپشن ہے وہ سیکولر جمہوری نظام اور ہندو فرقہ پرستانہ فسطائی نظام میں ہے۔

حالات کے اس مطالعے کی روشنی میں جماعت اسلامی کی شوریٰ کا موقف یہ ہے کہ ہم ایک طرف نصب العین اقامت دین کے لئے کام کرتے رہیں گے لیکن چونکہ یہ نصب العین ملک کے سامنے عملاً کوئی آپشن نہیں بن سکا ہے، اس لئے ہم ہندو فرقہ پرستانہ نظام کے مقابلے میں سیکولر جمہوری نظام کی بقا کی تائید کریں گے۔ یہ ہے وہ پس منظر جس میں جماعت کی شوریٰ کی وہ قرارداد پڑھنی چاہیے جس میں اس نے ہندوستان کے سیکولر جمہوری نظام کے سلسلے میں اپنا موقف واضح کیا ہے۔ اس طویل قرارداد کا ایک حصہ یہاں پیش کیا جارہا ہے:

> "ہندوستان اس معنی میں ایک سیکولر ریاست ہے کہ اس کا دستور مختلف مذاہب اور اس کے پیروؤں کے درمیان غیر جانب دار ہے، یعنی وہ مذہب کی بنیاد پر شہریوں کے درمیان کوئی تفریق روا نہیں رکھتا۔ دستور ہند کی رو سے ہر فرد کو اپنی مرضی کے مطابق کوئی بھی عقیدہ و مسلک اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی یکساں آزادی ہے"۔

جماعت اسلامی ہند انسانوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے

والی جماعت ہے، اسے اس بات پر پورا بھروسا ہے کہ اگر دستور ہند کی مذکور بالا خصوصیات برقرار رہیں اور باشندگان ملک کے سامنے اس کے پروردگار کی بھیجی ہوئی ہدایت اس طرح پیش کی جائے جیسا کہ اس کا حق ہے اور اسلام کی دعوت دینے والے اپنی سیرت و کردار سے بھی اسلام کا نمونہ پیش کریں تو یہاں جو پہلے سے مسلمان ہیں وہ سچے مسلمان بن کر اسلامی زندگی کا بڑے پیمانے پر مظاہرہ کریں گے اور جن لوگوں نے حق کو اب تک نہیں پہچانا ہے وہ بھی پہچان لیں گے اور اسے قبول کر کے خدا کے فرماں بردار بندے بن جائیں گے اور ان کی انفرادی واجتماعی زندگی، معاشرت و طرز حکمرانی سب کچھ ہدایت الٰہی کے مطابق منظم ہو سکے گی، ان شاء اللہ۔ دستور ہند کی مذکور بالا خصوصیات ہندوستان میں دعوت اسلامی کے لئے موقع فراہم کرتی ہیں اور یہی خصوصیات ایک ایسے ملک کے لئے موزوں ہیں جن کی غالب اکثریت کو اپنے پروردگار کی بھیجی ہوئی ہدایت کی پہچان نہ حاصل ہو۔ اس وجہ سے موجودہ صورت حال میں جماعت اسلامی ہند یہ چاہتی ہے کہ دوسرے کلیت پسندانہ اور فسطائی طرز ہائے حکومت کے مقابلے میں ہندوستان کا مذکور بالا سیکولر جمہوری طرز حکومت برقرار رہے۔ ہم موجودہ طرز حکومت میں ہر اس تبدیلی کے مخالف ہیں جو باشندگان ملک کی ان آزادیوں میں کسی طرح کی رکاوٹ ڈالے جو انہیں اپنی مرضی کے مطابق عقیدہ اور مسلک اختیار کرنے، اس کی تبلیغ واشاعت کرنے اور جمہوری طریقوں سے اس کے مطابق رائج الوقت نظام میں تبدیلی لانے کی کوشش کے سلسلے میں حائل ہیں"۔

(جماعت اسلامی ہند اور مسئلہ انتخابات: ص ۷۵۔۷۶)

اس اقتباس سے چند چیزیں بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ

جماعت اسلامی اگر سیکولر جمہوری نظام کی بقا کی تائید کرتی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ سیکولر جمہوریت اسے مطلوب ہے یا اس کا نصب العین ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک کے سامنے جو دو آپشن ہیں، ان میں بہتر آپشن یہی ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرا آپشن وہ ہے جو ملک و ملت دونوں کے لئے خطرناک اور جماعت کی دعوت کے لئے ضرر رساں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جماعت کی یہ تائید موقت ہے مطلق نہیں، یہ تائید اس وقت تک ہی باقی رہے گی جب تک اہل ملک کے سامنے جماعت کا اپنا نصب العین ایک آپشن کے طور پر نہ آجائے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ جب تک وہ وقت نہیں آتا جماعت اپنے نصب العین کی طرف دعوت بھی دیتی رہے گی۔ اور ساتھ ساتھ اس کی بھی کوشش کرتی رہے گی کہ ہندوستانی ریاست کا سیکولر جمہوری کردار باقی رہے تاکہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور جماعت کے لئے اپنی دعوت کا دروازہ کھلا رہے۔

سیکولرزم اور جمہوریت کے سلسلے میں جماعت کے اصولی موقف اور ہندوستان کے سیکولر جمہوری نظام کے بارے میں جماعت کے عملی رویے کی وضاحت میں کر چکا ہوں۔ اس اصولی موقف پر بعض دوستوں کا یہ اعتراض ہے کہ آپ لوگ سیکولرزم اور جمہوریت کا تجزیہ کیوں کرتے ہیں۔ اس کے اتنے اجزاء کیوں بیان کرتے ہیں، یہ تو کلی وحدانی اور ناقابل تجزیہ تصورات ہیں۔ اس کا جواب ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ نہ یہ کلی اور وحدانی تصورات ہیں اور نہ ہی ان کی ایک ہی تعبیر ہے۔ ان کے مختلف اجزاء بھی ہیں اور ان کی مختلف تعبیریں بھی اور ہم ہی نہیں ہیں جو اول ان کا تجزیہ کر رہے ہیں بلکہ خود مولانا مرحوم نے اپنی کتابوں میں ان کا تجزیہ فرمایا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم ان کی کسی ایک تقریر یا تحریر کو پیش نظر نہ رکھیں بلکہ ان کی دوسری تحریروں کو بھی بغور پڑھیں اور سمجھیں۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ہمیں سیکولرزم اور جمہوریت کے تجزئے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس کے مختلف اجزاء اور پہلوؤں کو ہم کیوں نمایاں کر رہے ہیں اور ہندوستان کے سیکولر جمہوری نظام کے بعض پہلوؤں پر تنقید اور بعض کی تحسین کیوں کر رہے ہیں۔ جواب ہے کہ جماعت اسلامی ایک تحریک ہے، اس کے رہنماؤں سے سوال کیا جاتا ہے کہ وہ جس ملک میں رہ رہے ہیں، اس کے دستور اور نظام حکومت کے بارے میں ان

کا کیا موقف ہے۔ یہ سوال عوام کرتے ہیں، پریس کے نمائندے کرتے ہیں اور پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں بھی یہ سوال اٹھایا جاتا ہے۔ جماعت اسلامی اس موضوع پر نہ تو خاموش رہ سکتی ہے اور نہ سیکولرزم اور جمہوریت پر اصولی تنقید کرنے پر ہی بس کر سکتی ہے۔ اس کو بتانا ہوگا کہ سیکولر جمہوری نظام کے کس حصے کو وہ صحیح سمجھتی ہے اور کس حصے کو صحیح نہیں سمجھتی اور کس پر تنقید کرتی ہے۔ اور کس کی تحسین کرتی ہے، کس میں تبدیلی چاہتی ہے اور کس کو برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ مزید یہ کہ جماعت کی حق پرستی کا بھی تقاضا ہے کہ جو پہلو اس دستور اور نظام کا اچھا ہو جماعت اس کو اچھا کہے اور اس کی تحسین و تائید کرے اور جو اچھا نہ ہو اس پر تنقید کرے اور اس کو بدلنے کے لئے رائے عامہ ہموار کرے۔ مزید یہ ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ ایک تحریک کی حیثیت سے ملک و ملت کے مسائل میں جماعت کو اپنے فکر کی روشنی میں کچھ اقدامات کرنے ہیں۔ مثال کے طور پر مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کا مسئلہ ہے۔ جماعت کو اس مقصد کے لئے دوسری تنظیموں اور جماعتوں کے ساتھ مل کر کچھ کرنا ہے، اگر اس غرض سے ملک کے دستور اور اس کے سیکولر اور جمہوری کردار کا حوالہ دینا پڑے تو جماعت کو ایسا ضرور کرنا چاہیے۔

انتخابات

سیکولر جمہوری نظام پر ہماری تنقید اصلاً دو نکتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ اس نظام میں تمام اجتماعی امور جو ریاست کے دائرے میں آتے ہیں، خدا کی ہدایت سے آزاد ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس نظام میں حاکمیت خدا کی نہیں انسانوں کی ہوتی ہے۔ درآنحالیکہ اس زمین میں انسانوں کا مقام حاکم کا نہیں خدا کے خلیفہ یا نائب کا ہے۔ یہ بات ہمارے لئے لٹریچر میں بھی کہی گئی ہے اور ہماری شوریٰ کی قرار دادوں میں بھی ہے۔ ہمیں احساس ہے کہ ہندوستان کے سیکولر نظام کے کچھ محاسن بھی ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے اور جن کی بنا پر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس نظام کی جگہ دوسرا نظام نہ آئے جس کی وجہ سے ہندو مذہب اور ہندو کلچر کا غلبہ ہو اور حکومت کا کردار جمہوری کے بجائے آمرانہ اور فسطائی ہو، لیکن سیکولر جمہوری نظام پر ہماری اصولی تنقید کی روشنی میں ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم اس نظام کو

جائز اور صحیح قرار دیں اور اس کو چلانے کے لئے اس کی پارلیمنٹ اور اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیں۔ ایسا کرنا ہمارے بنیادی فکر اور ہمارے عقیدہ توحید کے خلاف ہوگا۔ اسی بات کی صراحت ہمارے لٹریچر نے بھی کی ہے اور شوریٰ کی روداد میں بھی اس موقف کا اعادہ دوٹوک الفاظ میں کیا گیا ہے۔

البتہ جو بات شوریٰ کے زیر بحث رہی ہے، وہ یہ ہے کہ کیا ہندوستان میں ایسے حالات ہیں یا پیدا ہو سکتے ہیں جن میں ہم ہندوستانی نظام کو چلانے کے لئے نہیں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کی حفاظت کے لئے یا اسلام اور مسلمانوں کو غیر معمولی نقصانات سے بچانے کے لئے الیکشن میں حصہ لے سکیں یا انتخابی عمل کو متاثر کرنے کی کوشش کریں۔

مولانا مودودیؒ کی بعض تحریروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ سیکولر جمہوری نظام کے بارے میں ہمارا جو اصولی موقف ہے اس کی روشنی میں اس نظام کے پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے الیکشن میں کسی طرح کا حصہ لینا جائز نہیں، خواہ اس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے کتنے ہی مفادات متاثر ہوں یا انہیں کتنے ہی غیر معمولی نقصانات پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

میں عرض کروں گا کہ مولانا کے موقف کا یہ فہم صحیح نہیں ہے۔ مولانا کی تحریروں میں بعض مثالیں ایسی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس موقف میں تخصیص کی ہے۔ ایک تحریر کا تعلق ریاست حیدر آباد کے سقوط سے ہے۔ حیدر آباد کے مسلمانوں کے سامنے ایک وقت ایسا آیا کہ انہیں دو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا یا تو وہ انڈین یونین میں شامل ہو جائیں یا ہندوستانی فوج سے لڑائی مول لیں۔ اس وقت مولانا نے ایک طویل خط حیدر آباد کے ذمے داروں کو لکھا۔ حیدر آباد سے اپنے دیرینہ تعلق کا تذکرہ کرنے کے بعد انہیں مشورہ دیا کہ تصادم کی راہ اختیار نہ کی جائے، کیونکہ اس کا انجام ان کی مکمل تباہی کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔ اس کے بجائے انہیں انڈین یونین میں شامل ہو جانا چاہیے اور مذاکرات کے ذریعے کوشش کرنی چاہیے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ امور میں حق خود اختیاری حاصل رہے۔ مولانا کا یہ خط شائع ہو چکا ہے، جو چاہے اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس خط میں مولانا نے ہندوستانی انتخابات میں حصہ لینے اور اس کے ذریعے اپنے حقوق کے تحفظ کا بھی

Scanned with OKEN Scanner

مشورہ واضح الفاظ میں دیا ہے۔ مولانا کی طرف سے اپنے موقف میں تخصیص کی یہ ایک مثال ہے۔

دوسری مثال مولانا کی وہ تجویز ہے، جو انہوں نے مسلمانان ہند کے سامنے "ہندوستان کی جنگ آزادی اور مسلمان" نامی کتاب کے ایک جز میں بھی رکھی ہے اور جسے سلطنت در سلطنت یا شبہ دارالاسلام کا نام دیا ہے۔ اس تجویز کا حاصل یہ ہے کہ انگریز ہندوستان سے جانے والا ہے اور ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کو ملنے والی ہے۔ مسلمانوں کو حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ شریک ہونا چاہیے مگر اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ تہذیبی و ثقافتی خود اختیاری حاصل رہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک متحدہ سیکولر جمہوری نظام میں شریک ہو کر جتنی خود اختیاری مل سکے، مسلمانوں کو اس کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ دوسری مثال ہے مولانا کی طرف سے خود اپنے اصولی موقف کی تخصیص کی۔ دونوں تخصیصات کی وجہ سے صرف اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کا تحفظ اور انہیں غیر معمولی نقصانات سے بچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہاں یہ بات کہہ دینی ضروری ہے کہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ دونوں باتیں مولانا کے ابتدائی دور کی چیزیں ہیں، ان کا زیادہ پختہ اور سوچا سمجھا موقف وہ ہے، جس کی رو سے کسی استثناء یا تخصیص کی گنجائش نہیں نکلتی۔ عرض ہے کہ پہلا مشورہ مولانا نے پاکستان جانے کے بعد وہاں سے بھیجا تھا اور شبہ دارالاسلام والی تجویز کا تحسینی انداز میں ذکر مولانا نے ماچھی گوٹھ کے اجتماع کی اپنی تاریخی تقریر میں کیا جو ۱۹۵۷ء کی بات ہے۔

تیسری مثال کا تعلق فلسطین سے ہے۔ ۲۴/اگست ۱۹۶۹ء کو مسجد اقصیٰ کے سانحہ سے متعلق تقریر کرتے ہوئے مولانا نے فلسطین کے قبضہ کے بارے میں کہا: "فلسطین کے اصل باشندوں کی ایک جمہوری ریاست بننی چاہیے جس میں ملک کے پرانے یہودی باشندوں کو بھی عرب مسلمانوں اور عیسائیوں کی طرح شہری حقوق حاصل ہوں، اور باہر سے آئے ہوئے ان غاصبوں کو نکل جانا چاہیے جو زبردستی اس ملک کو قومی وطن اور پھر قومی ریاست بنانے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس کے سوا فلسطین کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے"۔ (تفہیمات حصہ چہارم، طبع دوم۔ لاہور۔ ۱۹۸۹ء ص ۶۳)

Scanned with OKEN Scanner

ظاہر ہے کہ فلسطین میں یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی جس جمہوری ریاست کی بات مولانا کر رہے ہیں وہ اسلامی جمہوریت نہیں ہو گی، ایک سیکولر جمہوری ریاست ہی ہو گی جس میں مسلمان صرف ایک فریق کی حیثیت سے شریک ہوں گے۔ ✪

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا مرحوم نے اپنے موقف میں خود تخصیص کی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت ایسے حالات ہو سکتے ہیں کہ دوسرے بھی تخصیص کی سوچیں۔ یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے، بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اعتقاد میں نہیں عملی رویے میں تخصیص کرنی پڑتی ہے، شریعت اسلامی میں اس کی گنجائش موجود ہے۔

ایک سوال البتہ یہاں اٹھایا جا سکتا ہے۔ کہ ہندوستان کی پارلیمنٹ اور اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لینے سے اس کے سیکولر جمہوری نظام کو جائز اور برحق ماننا لازم نہیں آتا۔ اگر آتا ہے تو پھر کیا یہ ہمارے عقیدے کے خلاف نہ ہو گا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر ہم نے اس نظام کے سیکولر کردار اور اس کے حاکمیت جمہور کے نظریے پر اپنی اصولی تنقید کرتے رہے رہیں تو اس نظام کو چلانے کی غرض سے نہیں بلکہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کی حفاظت اور انہیں غیر معمولی نقصانات سے بچانے کے لئے الیکشن میں حصہ لیں یا الیکشن کے عمل کو متاثر کرنے کی کوشش کریں تو اس کی وجہ سے اس ملک کے سیکولر جمہوری نظام کو جائز و برحق تسلیم کرنا لازم نہیں آئے گا۔

ہم جب اس ملک میں رہ رہے ہیں، اس کے دستور کی پابندی کرتے ہیں، اس کے قوانین عامہ کا احترام کرتے ہیں، حکومت کے عائد کردہ ٹیکسیز (Taxes) ادا کرتے ہیں، امن و امان کے ضابطوں کی پابندی کرتے ہیں اور ایسا کرنا اپنے اوپر شرعاً ضروری سمجھتے ہیں تاکہ نقض امن نہ ہو اور فساد فی الارض پیدا نہ ہو، جس سے قرآن نے منع فرمایا ہے۔ جب ان سارے ضابطوں کی پابندی سے جمہوری نظام کا جائز و برحق ہونا لازم نہیں آتا تو اسلام

✪ تقریر کی اشاعت کے بعد ایک دوست نے مذکورہ مثال کی طرف توجہ دلائی جو ان کے شکریے کے ساتھ شامل کی جا رہی ہے۔

اور مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت نہ کہ اس نظام کو چلانے کی غرض سے الیکشن میں حصہ لینے کی وجہ سے اس نظام کو جائز اور برحق تسلیم کرنا کیسے لازم ہو جائے گا۔ یہ بات تو خود مولانا مرحوم نے لکھی ہے کہ جب تک ہم ایک سیکولر جمہوری نظام میں رہ رہے ہیں تو اس کے قوانین عامہ کی پابندی کرنا اور نقض امن اور فساد فی الارض کی کوششوں سے باز رہنا اور حکومت کے عائد کردہ ٹیکس ادا کرنا ہمارے لئے شرعاً ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی زمین میں فساد پسند نہیں کرتا۔ مولانا نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ ایسا کرنے سے صرف حکومت کا ایک امر واقعہ کی حیثیت سے تسلیم کرنا لازم آتا ہے نہ کہ ایک امر جائز کی حیثیت سے۔ اسی منطق سے اگر ہم نظام کو چلانے کی غرض سے الیکشن میں حصہ نہ لیں بلکہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کی حفاظت یا انہیں غیر معمولی نقصانات سے بچانے کے لئے حصہ لیں یا اس کے عمل کو متاثر کرنے کی کوشش کریں تو اس کی وجہ سے اس نظام کو جائز و برحق تسلیم کرنا کیسے لازم آئے گا۔ ہم تو صرف اس نظام کو ایک امر واقعہ، اس حکومت کو ایک حکومت اور اس دستور کو ایک دستور تسلیم کریں گے اور اس کے تقاضے پورے کریں گے، نہ کہ اس کو جائز و برحق تسلیم کریں گے۔

مزید دلائل حاضر ہیں۔ ایک اسلامی حکومت اگر کسی غیر مسلم حکومت سے معاہدہ کرتی ہے تو اس کو صرف ایک حکومت تسلیم کرتی ہے، برحق تسلیم نہیں کرتی۔ اسلامی حکومت کا ایک شہری اگر ویزا لے کر مستامن کی حیثیت سے کسی غیر اسلامی ملک میں جاتا ہے تو اس سے اس حکومت کا حکومت ہونا ثابت ہوتا ہے برحق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر رسول ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو حبشہ ہجرت کرنے کا مشورہ دیا تھا اور صحابہؓ نے نجاشی کی حکومت میں پناہ لی تھی تو اس سے اس حکومت کو صرف حکومت تسلیم کرنا لازم آیا۔ نہ کہ جائز اور برحق ماننا۔ اسی طرح اگر حضور ﷺ نے قریش مکہ سے حدیبیہ میں صلح کی تو اس سے ان کے قبائلی نظام کو ایک نظام تسلیم کرنا لازم ہوا نہ کہ اس کا جائز و برحق ہونا۔ آپ نے طائف کے قبائلی نظام کی پناہ چاہی تو اس سے اس نظام کا برحق ماننا ثابت نہیں ہوا۔ صرف اس کا ایک نظام ہونا ثابت ہوا۔

خلاصہ یہ کہ ہندوستان کے سیکولر جمہوری نظام کی پارلیمنٹ اور اسمبلی کے انتخابات

میں اگر اس نظام کو چلانے کے بجائے صرف اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کی حفاظت اور غیر معمولی نقصانات سے بچانے کے لئے حصہ لیا جائے تو اس سے اس نظام کا جائز و برحق ماننا لازم نہیں آئے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان کے حالات ایسے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کی حفاظت یا انہیں غیر معمولی نقصانات سے بچانے کے لیے انتخابات میں حصہ لینا چاہیئے، ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور اس میں فیصلہ جماعت اسلامی کی حد تک اس کی وہی ہیئت کرے گی جو اس کے دستور کے مطابق ایسے فیصلے کرنے کی مجاز ہے۔ یعنی جماعت کی شوریٰ اور بعض حالات میں نمائندگان۔ یہ کام نہ کسی رکن کے کرنے کا ہے نہ کسی مقامی یا حلقے کی جماعت کا۔

انتخابات کے سلسلے میں جو اصولی بات مجھے کرنی تھی وہ میں نے پیش کر دی۔ آپ حضرات اس پر غور فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ جماعت کی شوریٰ نے اب تک جو کچھ اس موضوع پر کہا ہے، اس وضاحت سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔

✪✪✪

Scanned with OKEN Scanner

تقریر کے بعد سوالات کا موقع دیا گیا تھا، ان سوالات میں سے جن کا تعلق اس موضوع کے کسی پہلو کی وضاحت سے تھا، انھیں کا ذکر کیا جارہا ہے اور انھیں کے جوابات تحریر کیے جارہے ہیں.

سوال: سیکولرزم اور جمہوریت کے بارے میں مقرر نے جو بات کہی ہے کہ ان دونوں نظریات پر ہماری اصولی تنقید جاری رہے گی لیکن ہو یہ رہا ہے کہ اب ان نظریات پر تنقید بند ہوگئی ہے اور اگر کوئی رفیق اس کی طرف توجہ دلاتا ہے تو اسے خاموش کردیا جاتا ہے۔

جواب: اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ رجحان قابل اصلاح ہے، سیکولرزم پر ہماری اصولی تنقید جاری رہنی چاہیے، سیکولرزم بحیثیت ایک نظریہ حیات غلط اور نامعقول ہے اور جہاں تک سیکولر ریاست کا تعلق ہے وہ بھی مسلمان کا بحیثیت مسلمان کوئی مطمح نظر نہیں بن سکتا، البتہ موجودہ حالات میں ہم اسے اس لئے گوارا کرتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہیں کہ اس کے بالمقابل ہندوستان میں جو متبادل نظام لانے کی کوشش کی جاری ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ملک کے لئے بھی اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے بھی ضرر رساں ہے۔ اس ضمن میں مَیں ایک اور بات کی طرف رفقا کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا کہ اگر آپ ہندوستان کے تمام حالات پر مجموعی طور پر نظر ڈالیں تو کیا سیکولرزم ہی سارے مفاسد کی جڑ اور ام الخبائث نظر آئے گا۔ کیا شرک اور بت پرستی، لادینیت اور الحاد، اخلاقی انحطاط اور زوال، سماجی ناانصافی، معاشی استحصال، طبقاتی امتیاز ام الخبائث نظر نہیں آئیں گے۔ کیا آپ ان پر تنقید نہیں کریں گے؟ ہمارے برادران وطن خدا سے بحیثیت تنہا خالق، مدبر، والی، حاکم اور ہادی واقف نہیں ہیں۔ ان کے یہاں رسالت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ابتدائی ویدک عہد میں ان کے یہاں آخرت کا ایک واضح تصور تھا۔ اس کے بعد ان کے یہاں تناسخ ارواح اور آواگون کا تصور ایسا آیا کہ آخرت کا قدیم اور صحیح تصور بے معنی ہو کر رہ گیا۔ ہندوستان کے سماج میں جو برائیاں اور خرابیاں ہیں، ان میں ان عقائد و تصورات کا کتنا دخل ہے اور سیکولرزم کے مقابلے میں ان کی کیا حیثیت ہے؟ یہ سوال آپ کے غور کے

لئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ہمارے لٹریچر میں ان چیزوں سے بہت زیادہ تعرض نہیں کیا گیا ہے اور ہمارے رفقا میں سے بہت کم ہیں، جنہیں ان خرابیوں کا صحیح ادراک ہے، میرا خیال ہے کہ ہندوستانی معاشرے اور ہندوستانی ریاست پر تنقید کرتے وقت، بالخصوص سیکولرزم اور جمہوریت پر تبصرہ کرتے وقت خرابیوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ ہماری تنقید میں کونسی چیزیں پہلے آنی چاہییں اور کونسی بعد میں، کن پر زیادہ زور دینا چاہیے اور کن پر کم۔

سوال: آپ کے بیان کے مطابق سیکولرزم صرف اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دیتا ہے ، ذاتی زندگی میں دخل نہیں دیتا تو کیا سیکولرزم اسلامی بنیادوں پر معاشرے اورریاست کی تشکیل کی اجازت دے گا؟

جواب: ظاہر ہے کہ سیکولرزم اس کی اجازت نہیں دے گا اور اس کی مخالفت کرے گا۔ لیکن ہم نے کب سیکولرزم کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے، ہم خود سیکولرزم کو بدلنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم نے موجودہ حالات میں اسے گوارا کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے، تو صرف اس وجہ سے کہ عملاً جو متبادل نظام لایا جارہا ہے، وہ اس سے بدتر اور ہمارے لئے زیادہ مہلک ہوگا۔ اس بات کی وضاحت ہم کئی بار کر چکے ہیں۔ ایسے حالات ہر تحریک کو پیش آتے ہیں، جن میں ایک بڑے نصب العین کے حصول کے انتظار میں اسے بعض کم تر خرابیوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اسلامی تاریخ سے اس کی مختلف مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں توحید کی صدا بلند کی اور بت پرستی کی تردید کی، مگر بیس سال تک اس بیت اللہ کا طواف آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ نے کیا جس میں بت رکھے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے پاس انہیں مسمار کرنے کی قوت نہیں تھی، اس لئے اس برائی کو برداشت کرتے رہے اور اس کے باوجود طواف و عمرہ جاری رکھا۔ اسلامی تحریکوں کو اپنے نصب العین تک پہنچنے سے پہلے اس طرح کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔

✪✪✪